

تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے

محمد میاں صدیقی

تفسیر کا مادہ سہ حرفی لفظ ”فسر“ ہے جس کے لغوی معنی ہیں واضح کرنا ، کھول کر بیان کرنا۔ قرآن حکیم میں ہے : ولا یأتونک بمثل الا جئناک بالحق و احسن تفسیراً۔ (۱) (وہ جو بھی مثال آپ کے سامنے لائیں گے ہم اس کے عوض آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفصیل لائیں گے)۔

اس آیت میں ”تفسیر“ سے مراد تفصیل اور وضاحت ہے۔ صاحب لسان العرب کہتے ہیں :

”فسر“ کے معنی ہیں اظہار و بیان ، اس کا فعل باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے تفسیر کا مفہوم بھی یہی ہے۔“ (۲)

مزید کہتے ہیں :

”فسر“ بر حجاب کرنے کو کہتے ہیں ، تفسیر کرتے وقت بھی مشکل الفاظ کے مفہوم و معانی کو ایک طرح بر حجاب کیا جاتا ہے۔“ (۳)

مشہور مفسر اور نحوی ابو حیان کہتے ہیں :

”سواری کا پالان اتار کر اس کی پیٹھ ننگی کرنے کو بھی ”تفسیر“ کہتے ہیں ، ظاہر ہے کہ ننگا کرنے میں کشف و اظہار کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ زین اتارنے سے پیٹھ کھل کر اور ننگی ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔“ (۴)

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ تفسیر محسوسات اور معقولات دونوں کے کشف و اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ عقلی اور غیر مادی اشیاء کے سلسلے میں اس لفظ کا استعمال زیادہ عام ہے۔

علم تفسیر ایک قدیم فن ہے اور اس کی ابتداء صدر اسلام سے ہو چکی تھی۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ (م : ۶۸ ھ) کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اس فن میں سند تسلیم کئے جاتے تھے، ایک تفسیر بھی ان سے منسوب ہے۔ (۵)

تفسیر چند قواعد اور ملکات کا نام نہیں ہے جو معین قواعد کی مشق سے حاصل ہو سکتے ہوں۔ جیسا کہ دیگر علوم کی صورت میں جو علوم عقلیہ سے مشابہت رکھتے ہیں، میسر آ جاتے ہیں۔ تفسیر کی تعریف و توضیح میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطالب بیان کرنے کا نام ہے،

بہر حال بنیادی طور پر یہ تخیل سب میں موجود ہے کہ اللہ کی کتاب کی واضح تشریح کرنا۔ مثال کے طور پر زر کشی کہتے ہیں کہ :
،،تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی کتاب کے جو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی کے مطالب، احکام، اور حکمت سمجھی جا سکتی ہے۔“

یہ علم۔ لغت و ادب، فقہ و اصول فقہ، علم تجوید و قراءت کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ تفسیر کے لئے آیات کی شان نزول، اور ناسخ و منسوخ کا علم بھی ضروری ہے۔ (۶)
تفسیر و تاویل :

قرآن حکیم کی وضاحت، اور شرح کے لئے تفسیر کے علاوہ، علماء ایک اور لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ ہے لفظ ،،تاویل۔“

تفسیر کے معنی بیان ، اور کشف کے ہیں ، اور تاویل کے معنی رجوع کے ہیں ۔ گویا متعدد ، اور چند محتمل معانی میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرنا ، تاویل کہلاتا ہے ۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اور تاویل کا باہمی فرق واضح کرنے کے لئے ائمہ تفسیر کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں ۔

امام راغب الاصفہانی کہتے ہیں کہ : تفسیر ، تاویل سے عام ہے ۔ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ و مفردات میں ہوتا ہے ، اور تاویل کا غالب استعمال معانی اور جملوں میں ، نیز کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے معانی ، اور مراد واضح اور بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں ، خواہ باعتبار معنی ظاہر ہو ، یا باعتبار معنی خفی ، اور تاویل ، کلام تام اور جملوں کا مفہوم متعین کرنے کو کہتے ہیں ۔ (۷)

بعض مفسرین کا قول ہے کہ : تفسیر کا تعلق روایت سے ہے ، اور تاویل کا تعلق درایت سے ۔ (۸)

امام ابو نصر قشیری بیان کرتے ہیں کہ : ”تفسیر موقوف ہے سماع اور اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔ اور تاویل ، اجتہاد و استنباط کا نام ہے ۔“ (۹)

امام ماتریدی فرماتے ہیں : تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک مفہوم پر یقین کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہی ہے اور تاویل یہ ہے کہ چند محتمل معانی میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے (۱۰)۔

ابو حیان نے علم تفسیر کی تعریف اس طرح کی ہے :
”وہ ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق ، الفاظ کے معانی ، اور ان کے افراد و ترکیبی حالات بیان کئے جائیں ۔“ (۱۱)

اصول تفسیر کی کتابوں میں علم تفسیر کی تعریف بایں الفاظ کی

گئی ہے :

ان علم التفسیر علم یبحث فیہ
عن معنی نظم القرآن مجید
کسب القوانين العربیة والقواعد
الشرعیة بقدر الطاقة البشریة (۱۲)
علم تفسیر اس علم کو کہتے
ہیں جس میں طاقت بشری کی
حد تک ، قواعد عربیہ اور
قوانین شرعیہ کے مطابق نظم
قرآن کے معنی سے بحث کی
جائے -

اسی سے ملتی جلتی تعریف صاحب کشف الظنون نے کی ہے ، وہ
لکھتے ہیں کہ :

”تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت کی حد تک عربی
زبان کے قواعد کے مطابق نظم قرآن کے معنی سے بحث کی جائے ، علم
تفسیر کے موقوف علیہ علوم یہ ہیں - علوم عربیہ ، اصول کلام ، اصول
فقہ اور مناظرہ و خلاقیات ، نیز ان کے علاوہ بعض دیگر علوم -
علم تفسیر کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے ذریعے کلام اللہ کے
معانی معلوم کئے جائیں ، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ صحیح طریقے پر
احکام شرعیہ کے استنباط پر قدرت حاصل ہو سکے ، اس کا موضوع
اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر فضیلت کا معدن ہے -
اس علم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا
و آخرت کی سعادت اور فوز و فلاح کا حصول اس پر موقوف
ہے ، (۱۳) -

خلاصہ یہ کہ جو وضاحت اور تشریح ، ظاہر کے مطابق ہو ، اور
قطعی ہو ، وہ تفسیر ہے - خواہ کلام معصوم سے ہو یا کلام غیر معصوم
سے - اور جو تشریح و توضیح ظاہر کے خلاف ہو مگر قواعد اور قرائن
سیاق و سباق کے مطابق ہو ، وہ تاویل ہے -

موضوعِ تفسیر :

اہل علم کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ مختلف علوم و فنون کا باہم دگر امتیاز و تعارف ، موضوع کے تعین سے ہوتا ہے۔ مثلاً طب ایک علم ہے ، صرف و نحو ایک علم ہے۔ ان دونوں علوم کے درمیان جو خط امتیاز کھینچا جائے گا وہ ان کے موضوع ہی کے ذریعہ ممکن ہو گا۔ مثلاً طب کا موضوع جسم انسانی ہے ، اس کی ظاہری بیماریوں اور صحت سے اس میں بحث کی جاتی ہے ، صرف و نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ انہی کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اسی طرح علم تفسیر کا بھی ایک موضوع ہے اور وہ ہے قرآن حکیم ، علم تفسیر میں قرآن کے معانی و مطالب ، اور اغراض و مقاصد سے بحث کی جاتی ہے۔ قرآن کی توضیح و تشریح میں ایسے امور کو بیان کرنا جن کا قرآن کے اساسی اغراض و مقاصد سے کوئی تعلق نہیں ، تفسیر نہیں کہلا سکتا ، مثلاً کوئی شخص قرآنی آیت : ”یاہامان ابن لی صرحاً (۱۳) کی وضاحت میں انجیئرنگ اور فن تعمیر کے اصول اور اس کی جزئیات سے بحث شروع کر دے تو یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی طب کی کتاب میں فن تعمیر کا جوڑ لگانے کی کوشش کرے۔ ہر فن اپنی اپنی جگہ معقول اور مفید ہے ، مگر اس کی افادیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ اپنے موضوع کے ساتھ مربوط و متعلق رہے۔

یہی حال تفسیر کا بھی ہے۔ تفسیر کا موضوع ، اور تفسیر کے مضامین وہی کہلائیں گے جو قرآن کے بنیادی مقاصد سے تعلق رکھتے ہیں ، اور اس کا منتہائے فکر ہیں ، سائنسی اور صنعتی ترقیات و ایجادات کو مضامین قرآن کے ضمن میں زیر بحث لانا ، قرآن کے اعلیٰ و ارفع اصولِ ہدایت ، اور مقاصدِ فوز و فلاح سے روگردانی کے

مترادف ہے۔

توحید رسالت ، اعمال پر سزا و جزا ، اصلاح اعمال و اخلاق ، انسان کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کا تحفظ ، نظم مملکت ، تذکیر آخرت ، اعلانیہ کلمہ اللہ ، اصلاح معاشرہ ۔ یہ ہیں وہ پاکیزہ اصول جنہیں مقاصد قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سائنسی اور صنعتی ترقیات کو وحی الہی کے مقاصد سمجھنا ، نہ صرف قرآن میں تحریف ہے بلکہ ان اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول سے محروم رہنا ہے جن کی خاطر قرآن حکیم نازل ہوا ، اور جن کی تعلیم و تبلیغ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ سائنسی ، صنعتی اور زرعی ترقیات ، یہ سب ہمارے دنیوی امور ہیں ، جنہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ،،انتم اعلم بامور دنیاکم،، فرما کر خود ہمارے حوالے کر دیا۔ ان معاملات میں ہم خواہ کسی حد تک تحقیق و تصرف کریں ، قرآن اس سے تعرض نہیں کرتا، خدا نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان تمام موجودات و مخلوقات پر انسان کو تصرف اور حکمرانی کی قوت بخشی ہے۔ اور اس کو بطور انعام ذکر کر کرے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ ساری کائنات مسخر کر دی گئی ہے۔ اس میں گھومو، پھرو، تحقیق و تصرف کرو، اپنی عقل و خرد کو کام میں لاؤ، اس میں جو چھپے ہوئے خزانے ، اور منافع ہیں ، ان کا کھوج لگاؤ، اور ان سے مقدور بھر فائدہ اٹھاؤ :

وسخر لكم الفلك لتجرى فى البحر بأمره - (۱۵)

جیسی آیات پر جہازوں کی صنعت و حرفت پر بحث کرنا کہ جہاز اور کشتیاں کیسے بنائی جاتی ہیں - اس کے کیا اصول اور طریقے ہیں ، اس کے بنانے والوں کو کیا تعلیم دی جائے ، نصاب تعلیم

کیا ہو۔ اور وہ کیا کیا سائنسی علوم و اصول ہیں جن کے ذریعے یہ صنعت ترقی پذیر ہو سکے۔ اس آیت کے ضمن میں جہاز سازی اور جہاز رانی کی جزوی تفصیلات میں پڑنا ہر گز تفسیر قرآن نہیں کہلا سکتی۔ اس طرح کی تفاسیر، قرآن کے حقیقی مقصد کو مجروح کرنے کے مترادف ہیں۔ قرآن نے جس دنیوی زندگی کے انہماک سے انسانوں کا رخ اخروی زندگی کی طرف پھیرا تھا، اور ”وانیبوا الی ربکم“ کی بار بار کی صداؤں سے اس کا رخ صحیح منزل کی طرف موڑ دیا تھا، اس قسم کی تحقیقات اس رخ کو غلط ثابت کر کے اسے پھر دور جاہلی کی طرف لوٹا دیں گی۔

سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ اس طرز اور اسلوب کو معیار بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگیاں ہی قرآن کے مفہوم و معانی سے مختلف اور بے تعلق نظر آئیں گی۔ اگر محض سائنسی علوم و تحقیقات کا محور قرار دیدیا جائے تو قرآن سے سب سے زیادہ ناواقف صحابہ ہی نظر آئیں گے۔ قرآن نہ تو فلسفہ کی کوئی کتاب ہے اور نہ سائنسی تحقیقات کا مجموعہ۔ وہ تو طبعاً روحانی کی آخری اور بے مثل کتاب ہے جس میں بنی نوع انسان کی روحانی اور قلبی بیماریوں کے لئے داروئے شفا ہے۔

بات یہ ہے کہ قدرت نے صنعت و حرفت اور مادی ترقیات کے تمام شعبے انسانوں کی فکرونظر کے حوالے کر دیئے ہیں کہ تم جو چاہو سو کرو۔ بہتر سے بہتر مشینیں بناؤ، آواز سے زیادہ تیز رفتار سواریاں ایجاد کرو، انسان کی خوش حالی، فلاح و بہبود، اور تباہی و بربادی کے چاہے جتنے مؤثر سامان پیدا کرو۔ یہ سب تمہاری صواب دید پر ہیں۔ مگر انہیں نہ علوم قرآن کہو، اور نہ انہیں قرآن کا موضوع بناؤ۔

سوچنے کے بات ہے کہ قرآن معجزہ ہے ، اللہ کی آخری کتاب ہے ، اس کے احکام ، مسائل اور اصول و کلیات سب اٹل ہیں ۔ ، لا تبدیل لکلمات اللہ ، اور سائنسی تحقیقات و ایجادات ہر روز بدلتی ہیں ، آج ایک تحقیق صحیح ہے ، کل وہی غلط ہو جاتی ہے ۔ کیا ایسی صورت میں قرآن کو عالم گیر اور ابدی کتاب ہدایت کہا جا سکے گا ؟ بات وہی ہے کہ تفسیر کا موضوع وہی علوم الہیہ ہیں جن کی تفسیر و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ، آپ کے اقوال و افعال ، اور صحابہ کی روایات نے کی ہے ۔

ضرورت تفسیر :

یہ بات فطری بھی ہے ، اور بدیہی بھی کہ ہر متکلم کی خصوصیات ، اس کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہیں ۔ متکلم کا فکرو ذہن ، اور افکار و خیالات جس قدر بلند ہونگے اس کا کلام اور گفتگو بھی اس درجہ بلند ہو گی ۔ بعض کلام اتنا بلند ہوتا ہے ، اس میں اس قدر علم و فن ہوتا ہے ، اور وہ ایسے اصول و ضوابط پر مشتمل ہوتا ہے کہ عام اذہان اس کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں ۔ ظاہر ہے ایسا کلام وضاحت اور تفسیر کا محتاج ہوتا ہے ۔ تو قرآن حکیم ، اللہ کا کلام ہے ، جس کے ذریعے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا ۔ یقیناً اللہ کا کلام لا محدود عظمتوں کا مظہر ہوگا ، ہر کس و ناکس کے لئے اس کی عظمتوں اور حقائق و معارف کا ادراک کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے ، اور بغیر شرح و تفسیر ہر شخص منشائے الہی کو کیسے سمجھ سکتا ہے ۔

بلا شبہ کلام الہی کی عظمت ، اور جامعیت ، شرح و تفسیر کی محتاج تھی ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا شارح اور مفسر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر بھیجا ۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس
 (قرآن) کو اتارا تاکہ آپ لوگوں
 مانزل الیہم - (۱۶)
 کہے لے اس وحی کو بیان کریں
 جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس طرح قرآن کی تشریح ، اور وضاحت ، اور تفسیر کا حق
 رسول کو دیا گیا کہ آپ اپنے اقوال ، احوال ، اور افعال سے قرآن
 حکیم کی شرح فرمائیں۔ اس حقیقت کو اُم المومنین حضرت عائشہ
 صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ سے تعبیر کیا :
 „کان خلقه القرآن“ آپ کی عادت ، اور سیرت مبارکہ عین قرآن تھی۔
 پھر اس کے ساتھ اللہ نے آپ کے اقوال و ارشادات کو اپنی وحی
 بنا دیا : „وما ینطق عن الہوی“ ، ان هو الاّ وحی یوحی“ (۱۷) تاکہ آپ
 کی طرف سے بیان کی ہوئی ہر تفسیر و تشریح خود صاحب قرآن کی
 تفسیر سمجھی جائے :

قرآن عربی میں نازل ہوا ، اور ان لوگوں میں نازل ہوا جن کی
 مادری زبان عربی تھی ، لیکن ان کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہوا کہ ہر
 شخص از خود قرآن سمجھ لے اور منشائے الہی کو پالے۔ بلکہ وہ
 قدم قدم پر اس کے محتاج رہے کہ خود حامل قرآن ، اس کے حقیقی
 مفہوم کی وضاحت کرے۔

روایات میں آتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی :

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم
 بظلم اولئک لہم الاْمْنُ وہم
 (بے شرے جو لوگ ایمان لائے ،
 اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم
 کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا ،
 مہتدون - (۱۸)

وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن
 و سلامتی ہے ، اور جو ہدایت
 یافتہ ہیں -)

تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے ، حضور علیہ السلام سے کہنے لگے : یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو ، ہر شخص سے کچھ نہ کچھ ظلم اور زیادتی سرزد ہو جاتی ہے ۔۔ آپ نے ارشاد فرمایا : نہیں ، یہ وہ ظلم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو ۔ آیت میں جس ظلم کا ذکر ہے ، اس سے ظلم عظیم یعنی شرک مراد ہے ۔ قرآن نے خود ایک دوسرے مقام پر ، ”ان الشرک لظلم عظیم“ کہہ کر اس کی وضاحت کر دی ہے ۔ آپ کی تفسیر اور وضاحت سے صحابہ کی پریشانی دور ہوئی ۔ اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی ۔ ”حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود“ (۱۹) تو ایک صابی سحری کھانے کے بعد دو دھاگے لے کر لیٹ گئے اور ان کو دیکھنے لگے کہ سفید دھاگا ، سیاہ دھاگے سے کب ممتاز ہوتا ہے ۔ انہوں نے آیت کے ظاہری معنی سمجھے ، حالانکہ یہ بطور محاورہ تھا جب حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ بھی ان صحابی کے بھولے پن سے محظوظ ہوئے ، اور خود اللہ جل شانہ کی طرف سے وضاحت نازل ہوئی ”من الفجر“ اور حضور نے منشاء الہی بیان فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب صبح کی سفیدی نمایاں ہونے لگے ، اس وقت سحر کا وقت ختم ہو جاتا ہے ۔

صحابہ کرام فصاحت و بلاغت کا پیکر تھے ، عقل و فہم میں بھی ایسے کامل تھے کہ تاریخ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے قلوب براہ راست انوار نبوت سے منور اور تاباں ، حضور کے مزاج سے آشنا ، اور فیض تربیت سے بہرہ ور تھے ۔ لیکن اس سب کے باوجود بسا اوقات قرآن کی مراد سمجھنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے محتاج ہوتے ہیں ۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ انسان

کا فہم و ادراک ، قرآن کی مراد سمجھنے میں تفسیر و تشریح کا محتاج ہے۔ اور قرآن کی اصل اور حقیقی تفسیر ، خود حامل قرآن کا بیان ہے۔ تو یہ دعویٰ کرنا کہ قرآنی علوم براہ راست سمجھے جا سکتے ہیں اور ان علوم کو سمجھنے کے لئے شارح وحی کی ضرورت نہیں ، عقل ، حقیقت اور بداهت ، سب کے خلاف ہے۔

اس بات کو سمجھانے کے لئے اگر تھوڑا سا منطقی انداز اختیار کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ : شرح و تفسیر سورج کی روشنی کی طرح ہے ، اور سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے لئے قوت بینائی کا ہونا ضروری ہے ، خارج میں موجود اشیاء کو دیکھنے کے لئے نہ صرف روشنی کافی ہے ، اور نہ محض بینائی ، بیک وقت دونوں چیزوں کا وجود ضروری ہے۔

اسی بنا پر آفتاب نبوت کی روشنی میں رہتے ہوئے فکر و تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ محض تدبر اور فکر انسانی فہم قرآن کے لئے کافی نہیں ہے۔ فہم قرآنی کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ رشید رضا نے تفسیر „المنار“ کے مقدمہ میں لکھا ہے :

„قرآن مجید کی تفسیر میں گفتگو کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور بعض اوقات تو یہی کام مشکل ترین اور اہم بن جاتا ہے۔ مشکل ہونے کی وجہ سے کام کو چونکہ چھوڑا نہیں جا سکتا لہذا اس کے حصول سے باز نہیں رہنا چاہیئے۔

اس کے مشکل ہونے کی کئی وجوہ ہیں - سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ قرآن حکیم آسمانی کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسکی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں ، کامل ترین نبی پر نازل ہوا ہے اور یہ کلام بلند معارف اور اعلیٰ مطالب پر

مشمول ہے۔ دانش و بینش رکھنے والوں اور نیک لوگوں کے سوا کوئی اور اس سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ مفہوم قرآن کے متلاشی کو اس ہیبت و جلال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ہستی باری تعالیٰ کی طرف سے اس پر طاری ہوتا ہے، (۲۰)۔ پھر بفحوائے ولقد یسرنا القرآن علامہ رشید رضا کا ارشاد ہے :

،،لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو ہمارے لئے آسان کر دیا کہ اس نے ہمیں اپنے کلام کو سمجھنے اور اس سے حکمت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اللہ نے اپنی کتاب کو ہدایت اور روشنی بنا کر اتارا۔ اس میں لوگوں کے لئے دین کے طریقے اور مذہب کے احکام کھول کھول کر بیان کئے ہیں۔ اور اس کی آسانی کا اندازہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کو کماحقہ سمجھا جائے، (۲۱)۔

ظاہر ہے کہ پوری طرح سمجھنے کے لئے کلام اللہ کی تفسیر و تشریح نہایت ضروری تھی۔ اس کلام کے مضامین کو کھول کھول کر بیان کرنے اور اس کے مطالب کو سامعین کے فہم سے قریب کر دینے ہی کا نام تفسیر ہے۔

فنِ تفسیر :

تفسیر پر بہ حیثیت فن گفتگو کرتے ہوئے علامہ رشید رضا نے کہا ہے :

،،اور تفسیر سے ہماری مراد ایسی تفسیر ہے جس سے کتاب اللہ کو سمجھا جا سکے اس حیثیت سے کہ وہ دین ہے اور لوگوں کو ان کی دنیوی اور اخروی راہ دکھانا مقصود ہے۔ اور فہم قرآن کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے۔ اس کے علاوہ مباحث

چاہے کچھ بھی ہوں وہ سب کے سب اس کے تابع یا اس کے حصول کے ذرائع ہیں۔

،،تفسیر کی مختلف صورتیں ہیں :

،،پہلی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے طرز بیان اور اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے اور بلاغت کی ان اقسام کو پرکھا جائے جن پر وہ مشتمل ہے۔ کیونکہ اسی طرح کلام اللہ کے بلند مرتبہ کو سمجھا اور دوسروں کے کلام سے اسے ممیز کیا جا سکتا ہے۔

علامہ زمخشری نے اسی طریقے کو اختیار کیا۔ تاہم انہوں نے دوسرے مقاصد کی طرف بھی کچھ نہ کچھ توجہ دی ہے۔ علامہ کی پیروی میں کئی دوسرے لوگوں نے بھی اسی طریقے کو اپنایا ہے۔

،،دوسری صورت یہ ہے کہ اعراب کی پہچان اور ان کا علم حاصل کیا جائے۔ بہت سے لوگوں نے اسے اہمیت دی ہے اور جو مباحث اعراب والفاظ قرآنی سے متعلق ہیں، انہیں شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

،،تیسری صورت یہ ہے کہ قصص قرآن معلوم کرنے کی جستجو ہو۔ بے شمار لوگوں نے اس روش کو اپنایا ہے۔ انہوں نے تاریخی کتابوں اور اسرائیلی روایتوں کی مدد سے قرآن مجید کے قصص میں زیب داستان کے طور پر کچھ اضافے بھی کئے ہیں۔ اس کے لئے محض تورات، انجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے جو کچھ سنا، اسے بھی قبول کر لیا اور کسی تفحص کے بغیر جو کچھ جہاں سے ملا اسے اکھٹا کر کے ایسی روایات جمع کر دی ہیں جو عقل و شریعت دونوں کے خلاف ہیں۔

”چوتھی صورت یہ ہے کہ غرائب قرآن کی تلاش کر کے انہیں جمع کیا جائے۔

”پانچویں صورت یہ ہے کہ عبادات و معاملات سے متعلق احکام شرعی کو ڈھونڈ کر ان سے استنباط کیا جائے۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے آیات احکام کو جمع کر کے علیحدہ طور پر ان کی تفسیر بھی کی ہے۔ ابو بکر ابن عربی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ علم فقہ سے دلچسپی رکھنے والے مفسرین نے عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والی قرآنی آیات کو دوسری آیات کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی ہے۔

”چھٹی صورت یہ ہے کہ اصول عقائد کا بیان ہو جس سے گمراہوں کو جھنجھوڑا جا سکے اور اختلاف رکھنے والوں سے مناظرہ کیا جا سکے امام رازیؒ نے اس طریقے کو بہت اہم خیال کیا ہے۔

”ساتویں صورت یہ ہے کہ پند و موعظت کا انداز اختیار کیا جائے تاکہ اصلاح احوال ممکن ہو سکے۔ اس طرز کو صوفیاء حضرات نے متصوفانہ حکایات شامل کر کے کچھ خلط ملط سا کر دیا ہے اور بعض مقامات پر تو وہ ان حدود سے بھی تجاوز کر گئے ہیں جنہیں قرآن حکیم نے آداب و فضائل کے بارے میں وضع کر رکھا ہے۔

”آٹھویں صورت جسے اشارہ بھی کہتے ہیں، تفسیر کی اس صورت کا نام ہے جس میں فرقہ باطنیہ کا کلام صوفیا کے کلام کے ساتھ مل کر باعث اشتباہ بن گیا ہے۔ اس قبیل کی تفاسیر میں وہ تفسیر قرآن بھی شامل ہے جسے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ وہ قاشانی

ایسے مشہور باطنی کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں ایسی اختلافی باتیں موجود ہیں جن سے اللہ کا دین اور اسکی کتاب بری الذمہ ہے ۔۔ - (۲۲)

ان آٹھ صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد علامہ نے محاکمہ کے طور پر مقدمہ میں لکھا ہے :

”میں خوب جانتا ہوں کہ ان مقاصد میں سے کسی خاص مقصد پر زیادہ توجہ دینا کتاب اللہ کے حقیقی مقصود سے دور ہو جانے کے مترادف ہے۔ سوچ کا یہ انداز انسان کو ایسی راہ پر لگا دیتا ہے کہ اصل مطلب تک رسائی نہیں ہوتی۔ اس لئے تفسیر میں ہم نے جس چیز کو اہمیت دی ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں کہ کتاب اللہ کو اس حیثیت سے سمجھنا چاہیے کہ وہ دین ہے اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ دنیوی زندگی میں اصلاح امور اور اخروی زندگی میں حصول فلاح کے لئے جامع کلام ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے وجوہ بلاغت کا بیان بھی تبعاً اسی قدر لازم ہو گا جتنا اخذ مطالب کے لئے ضروری ہے اور اعراب کی تحقیق بھی اسی قدر ہو گی جتنی کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لئے درکار ہے۔

”بقدر ضرورت ان معانی کو سمجھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے چاہے وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی سی زبان بھی بولتا ہو۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص قرآن مجید سے اس قدر سوجھ بوجھ پیدا کرے کہ اسکی وجہ سے وہ اپنے نفس کو خیر کی طرف راغب کر سکے اور شر سے بچا رہے، یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے ۔۔ - (۲۳)

تفسیر ماثور - تفسیر بالرائے

قرآن حکیم کی تفسیر محض روایات سے کی جائے ، اور مدارِ تفسیر اُن روایات و منقولات کو قرار دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، یا ان کے صحابہ سے ثابت و مروی ہیں ۔ یا تفسیر قرآن میں رائے اور اجتہاد سے بھی مدد لی جائے ؟ علماء کے درمیان یہ ایک مشکل اور پیچیدہ مسئلہ رہا ہے ۔ بعض سلف نے تفسیر میں مطلقاً رائے اور اجتہاد کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے ، اور بعض اہل علم مطلقاً اس کے جواز کے قائل ہیں ۔

جن علمائے سلف نے تفسیر میں رائے کے استعمال کو ممنوع قرار دیا انہوں نے اپنے استدلال میں دو روایتیں نقل کیں ۔ ایک روایت ابو داؤد نے ذکر کی اور ایک روایت ترمذی اور نسائی نے ۔
روایت کے الفاظ یوں ہیں :

„من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار“

(جو شخص قرآن کے بارے میں بغیر علم و تحقیق کے کوئی بات بیان کرتا ہے ، اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لینا چاہیے) دوسری روایت کے الفاظ ہیں :

„من تکلم فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطا“ (جس نے قرآن کے متعلق اپنی رائے سے کوئی بات کی ، اگرچہ وہ درست ہو ، پھر بھی وہ شخص غلطی کا مرتکب ہوا) ۔

مذکورہ بالا مسلک کے بارے میں دوسری روایت زیادہ واضح ہے ۔ روایت کے ظاہری اطلاق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تفسیر قرآن میں رائے کو مطلقاً دخل نہیں دینا چاہیے ، جو حضور سے اور آپ کے صحابہ سے منقول ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے ۔

جو علماء ، تفسیر بالرائے کی ممانعت کے قائل ہیں ، وہ کثرت سے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے :

”اگر میں نے قرآن کے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کہدی تو پھر میں کس طرح زمین پر رہوں گا ، اور کون سا آسمان ہے جو مجھے اپنے نیچے جگہ دے گا ۔“ - (۲۳)

ایک مرتبہ آپؐ سے ایک آیت ”وفاکھة وأبأ“ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے یہی جواب دیا ۔

کسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے متعلق سوال کیا ، تو آپؐ نے جواب دیا کہ : فاکھة کو تو ہم جانتے ہیں، مگر ”أبأ“ کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں ، انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ نہ تھی کہ انہیں ”أبأ“ کے لغوی معنی بھی معلوم نہ تھے ، لغوی معنی تو سب جانتے تھے کہ چارے کے ہیں ، ان کا مقصد یہ تھا کہ اس مقام پر اس سے کیا مراد ہے ، اور یہاں کس کیفیت کا اظہار مقصود ہے ، اس کی صحیح تحقیق اور حتمی علم نہیں ، اور بلا علم و تحقیق اپنی طرف سے کوئی مراد بتانا ”رائی منہی“ کی تعریف میں داخل ہے ۔

سعید بن مسیب (م : ۹۱ ھ) سے کوئی کسی آیت کی تفسیر پوچھتا تو کہتے : ہم قرآن میں بلا علم کے لب نہیں ہلاتے ۔“ - (۲۵)
لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیگر بے شمار دلائل و شواہد کے علاوہ ، اگر ان دلائل اور امثلہ ہی میں غور و فکر کیا جائے جو تفسیر میں ”رائی“ کے استعمال کو ممنوع قرار دینے والوں نے پیش کی ہیں ، تو انہی سے تفسیر میں رائے ، کے استعمال کا ثبوت ملتا ہے ۔

حضرت ابوبکر صدیق کا قول نقل کیا گیا ، اس میں انہوں نے کہا کہ ”بلا علم کے اگر کوئی بات کہوں تو ۰۰۰“ اس سے صاف

ظاہر ہے کہ قرآن کی کسی آیت کی تفسیر و توضیح کے متعلق اس وقت لب کشائی کرنی چاہیے جب صحیح علم اور مکمل تحقیق ہو ، بلا علم و تحقیق کسی آیت کا مفہوم معین کرنے یا کسی لفظ کی وضاحت کرنے سے بچنا چاہیے ۔

اسی طرح سعید بن مسیب کا جواب ہے ، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ : بلا علم کے تفسیر قرآن میں لب کشائی نہیں کرتے ۔ مقصد یہ ہے کہ جس آیت کے مدلول ، اور مفہوم کے بارے میں قطعی علم ہوتا ہے ، وہاں اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں ۔

بات صرف اتنی ہے کہ یہ اصحاب تفسیر قرآن میں حد درجہ محتاط تھے کہ کوئی ایسی وضاحت و تشریح زبان سے نہ نکل جائے جو صاحب قرآن اور حامل قرآن کا منشا نہ ہو ، اگر یہ حضرات صرف منقولات پر تکیہ کرتے تو پھر ان سے اقوال تفسیر کیوں کر منقول ہوتے ۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جہاں قطعی علم اور اذعان و یقین نہیں ہوتا تھا ، وہاں خاموش رہتے تھے ، لیکن جہاں علم ہوتا تھا وہاں برملا آیات قرآن کی توضیح و تشریح کرتے تھے ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں :

”یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں ، بے علمی کے وقت خاموش رہنا ، اور علم و آگہی کے وقت بیان کرنا ، خود قرآن کا یہ حکم ہے ۔ ”لَتَبْلِيَنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ : (تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو ، چھپاؤ نہیں) حدیث میں ہے ۔ جس سے جو مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے جاننے کے باوجود ظاہر نہ کرے ، چھپائے رکھے ، تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام لگائی جائے گی ۔ “ (۲۶)

علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی ”حدیث“ من تکلم فی القرآن براہ فاصحاب فقد اخطاء ، کی صحت پر کلام کرتے ہیں اور

کہتے ہیں :

،،اگر بالفرض اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کی مراد یہ ہے کہ جس نے اپنی خواہشات اور آراء کے مطابق قرآن کی تفسیر کی ، بایں طور کہ اس کی رائے اور مسلک اصل ہو گیا ، اور تفسیر اس کی تابع بن گئی تو یہ بہر صورت خطا ہے ، اور ایسی ہی تفسیر کے بارے میں اس وعید کو محمول کیا جائے گا۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں جو متشابہات ہیں جن کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ، ان کی تفسیر و توضیح بیان کی ۔

یا یہ مراد ہے کہ جن الفاظ کے معنی قطعی ، اور محکم ہیں ان کے کوئی محتمل معنی بیان کئے ۔ اور کہا ۔ اللہ کی مراد یوں ہے۔۔ “ (۲۷)

اسی ضمن میں ، تفسیر بالرائے کی ممانعت کرنے والوں نے جو دوسری حدیث پیش کی ہے کہ : جس نے بغیر علم کے قرآن کے بارے میں کوئی بات کی ، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے ۔ اس حدیث کے علامہ آلوسی رحمہ اللہ دو معنی بیان کرتے ہیں ، کہتے ہیں :

،،اس حدیث کا ایک منشا یہ ہو سکتا ہے کہ مشکلات قرآن کے بارے میں ایسی بات بیان کی جائے جس کا پورے طور پر علم نہ ہو ، کسی بھی قرآنی آیت اور عبارت کی اس طرح کی توضیح و تشریح اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینے والی ہے ۔

اس حدیث کی دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ تفسیر قرآن کے بارے میں وہ بات کہی جائے جس کے متعلق کہنے والا خود یہ سمجھتا ہے کہ یہ منشاء قرآن نہیں ہے اور حق اس کے علاوہ ہے ۔ وہ پہلے سے اپنے قائم کردہ کسی نظریے کو ثابت کرنے کے لئے یا کسی ایسی بات کی دلیل بنانے کے لئے جس کی اصل قرآن میں نہیں ہے ،

تشریح کرتا ہے، یہ صورت بلا شبہ اس تفسیر بالرائے کے ذیل میں آئے گی جس سے منع کیا گیا ہے۔ (۲۸)

حدیث ابن عباس، جس میں ہے، ”جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کلام کیا اور بعض طرق میں ہے بغیر علم کے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے، امام قرطبی دو معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں۔“ :

ایک یہ کہ : جو شخص مشکلات قرآن کے متعلق کبار صحابہ، اور کبار تابعین کے آراء اور مسالک جانے بغیر اپنی رائے اور سمجھ سے کوئی بات بیان کرتا ہے، وہ اس حدیث کا مصداق ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ : یہ تہدید اس شخص کے بارے میں محمول کی جائے جو قرآن کی ایسی توجیہ و تاویل کرتا ہے جس کے بارے میں اسے خود معلوم ہے کہ وہ حق کے خلاف ہے، لیکن پہلی توجیہ زیادہ محکم، زیادہ صحیح، اور قرین قیاس ہے۔“

اور حدیث جندب، جس میں ہے، ”من قال فی القرآن برأیہ فاصاب، فقد اخطا“ یعنی جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا، اگر وہ صحت و ثواب کو بھی پہنچا تب بھی اس نے غلطی کی، اس حدیث کو بعض اہل علم نے اس امر پر محمول کیا ہے کہ اس مقام پر ”رائے“ سے مرضی اور خواہش کے معنی مراد ہیں، یعنی جس نے قرآن میں اپنی خواہش کو دخل دیا، اور اُثمہ سلف سے رہ نمائی حاصل نہ کی، تو اس کی رائے اگر صحیح بھی ہوئی تب بھی وہ غلطی کا مرتکب ہے۔ (۲۹)

تفسیر قرآن میں رائے اور اجتہاد کو دخل ہے یا صرف نقل اور سماع پر انحصار کیا جائے؟۔ امام قرطبی رحمہ اللہ قدرے وضاحت کے

ساتھ لکھتے ہیں :

”یہ کہنا کہ تفسیر سماع پر موقوف ہے ، ایک فاسد اور مہمل بات ہے ، اس لئے کہ تفسیر قرآن کی ممانعت سے یا تو یہ مراد ہو گی کہ محض نقل ، اور سماع پر انحصار کیا جائے ، اور اجتہاد و استنباط کو کلی طور پر ترک کر دیا جائے ۔ یا اس کے سوا اور کوئی مراد ہو گی ۔ لیکن یہ مراد باطل اور مہمل ہے کہ تفسیر قرآن کو صرف سماع پر موقوف کر دیا جائے کیوں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قرآن پڑھتے تھے ، اور بعض آیات کی تفسیر میں اختلاف کرتے تھے ، اس کے مختلف معنی اور مفہوم مراد لیتے تھے ۔ یہ نہیں تھا کہ جو حضور علیہ السلام سے سنا ، وہی بیان کیا ، اور نہ امر واقعہ یہ تھا کہ وہ جو کچھ تفسیر آیات کے ضمن میں بیان کرتے تھے وہ سب حضور علیہ السلام سے سنا ہوا ہوتا تھا ۔

مستند روایات سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی : ”اللہم فقہہ فی الدین و علمہ التأویل“ اگر تاویل و تفسیر محض سماع پر موقوف ہوتی تو پھر حضور کی اس دعا کا اور دعا میں حضرت ابن عباس کی تخصیص کا کیا فائدہ ؟ (۳۰)

بعض علماء نے کہا کہ تفسیر قرآن میں وہ رائے ، اور اجتہاد حرام ہے کہ تفسیر کرنے والا بغیر کسی قطعی دلیل کے کہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد بالیقین فلاں ہے ۔ یا تفسیر کرنے والا قواعد لغت عربیہ ، اور اصول شریعت سے انحراف کر کے کوئی معنی اور مفہوم بیان کرے ، اور تمام تر شرعی و لغوی اصول و ضوابط کو بالائے طاق رکھ کر ، قرآن کو اپنی خواہش اور منشاء کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے تو

بلا شبہ یہ حرام ہے۔ جیسے بعض لوگوں نے آیت فخذ اربعة من الطير
فصر هن اليك ثم اجعل على كل جبل منهن جزءاً (۳۱) کی تفسیر میں
یہ معنی بیان کئے کہ : ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا
حکم دیا گیا کہ چار پرندے مختلف پہاڑوں پر بٹھا دو، پھر ان کو آواز
دو، وہ آپ کی مانوس آواز پر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے۔“
یہ تفسیر قطعاً تحریف ہے کیونکہ امت کے تمام علماء اور مفسرین
نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ پرندے کے چار ٹکڑے کر کے
ان کو پہاڑ کے مختلف حصوں پر رکھ دو، پھر انہیں آواز دو، وہ
ٹکڑے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے۔ یہ نہ
صرف علمائے امت کی بیان کردہ تفقہ تفسیر اور معنی ہیں بلکہ قرآن
کا سیاق و سباق بھی یہی کہہ رہا ہے کہ اسے حقیقت پر محمول کیا
جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیائے موتی
کی کیفیت سمجھانا، اور دکھانا چاہتے ہیں۔

ہاں، اگر مفسر میں وہ تمام شرائط موجود ہیں (اور وہ ان کی
پیروی بھی کرتا ہے) جو علماء نے تفسیر قرآن کے لئے عائد کی ہیں،
تو پھر رائے اور اجتہاد کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ
شرائط کی رعایت کے بعد خود قرآن، اپنی تفسیر و تاویل میں رائے
اور اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے: افلا يتدبرون القرآن ام
على قلوب اقفالها، (۳۲) کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ
ولیتذکر اولوا الالباب، (۳۳) لعلہ الذین یستنبطونہ منہم (۳۴) اللہ تعالیٰ
نے ایک آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی جو اس کی آیات میں اور
اس کے کلام میں غور و فکر نہیں کرتے اور دو آیتوں میں ان لوگوں
کی تعریف کی جو اس کے کلام میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں، اور
معانی و مطالب کی اصل حقیقت اور گہرائی تک پہنچنے کی

کوشش کرتے ہیں۔

عقلی نقطہ نظر سے یہ اس لئے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ جامد نہیں ہوتا، تغیر پذیر ہوتا ہے، معاشرے کے افراد، اور جماعت کو نئے نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں، نئے مسائل کے لئے ضروری ہے کہ ایک عالم دین اور ماہر قرآن و سنت، ان کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرے، اگر قرآن سے استنباط مسائل کا دروازہ بند کر دیا جائے تو قرآن کے عالم گیر کتاب ہدایت، اور ابدی دستور حیات ہونے کی حقیقت محلِ فکر و نظر بن جائے گی۔

ائمہ تفسیر اور علماء نے تفسیر ماثور، اور تفسیر بالرائے کے بارے میں جو نقد و جرح کی ہے، اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر کے متعلق کوئی نص صریح، حضور علیہ السلام کا واضح ارشاد، یا صحابہ کرام کا اجماع ہے تو پھر وہاں رائے اور اجتہاد کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، ایسے مواقع پر اپنی رائے سے کوئی معنی بیان کرنا حرام ہو گا، اگرچہ مفسر میں وہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں جن کا ہونا علماء نے ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں کوئی حرج نہ ہو گا جب تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے کے مابین کوئی تعارض نہ ہو، نیز تفسیر کرنے والا ان تمام شرائط کی کلی طور پر رعایت کرتا ہو جو اس ضمن میں ذکر کی گئی ہیں۔

جواز اور عدم تناقض کی ایک مثال اس قرآنی آیت میں موجود ہے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بَاذَنَ اللّٰهِ - (۳۵)۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: سابق وہ شخص جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب آجائیں، مقتصد وہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں، ظالم وہ جو بعض محرمات کا مرتکب ہو۔ بعض دوسرے مفسرین نے یہ تفسیر کی:

سابق سے مراد مخلص فی العمل ، مقتصد وہ شخص جس کے اعمال اور نیات میں ریا اور دکھاوا ہو ، ظالم ، وہ جو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا ہو ۔

ایک اور طبقے نے اس آیت کی یہ تفسیر کی : سابق جو ہر وقت خیر پر آمادہ رہے ، مقتصد ، جس کے اعمال صالحہ کے ساتھ اعمال سینہ بھی خلط ملط ہوں ، ظالم وہ جو اللہ کے حکم اور فیصلے پر اس لگائے بیٹھا ہو ۔

بظاہر یہ تین مختلف تفسیریں اور آراء ہیں مگر ان تینوں میں کوئی باہمی تعارض نہیں اور نہ ان میں کوئی تفسیر ایسی ہے جو قواعد لغت عربیہ اور اصول شریعت کے خلاف ہو ۔ - (۳۶) شرائط مفسر :

صحابہ ، تابعین ، تبع تابعین ، اور علمائے سلف کی ایک جماعت نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کسی شخص کو قرآن حکیم کی تفسیر میں رائے کو دخل نہیں دینا چاہیے ۔ اگرچہ وہ عالم ہو ، ادیب ہو ، فقہ ، اصول ، نحو و صرف ، اخبار و آثار ، اور معرفت ادلہ میں مہارت تامہ رکھتا ہو ، اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے ، اسی پر اکتفا کرے۔ لیکن سلف صالحین بلکہ صحابہ کے آخری ، اور تابعین کے ابتدائی دور میں ایک طبقہ اس رائے کا حامل پیدا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ان علوم کا جامع ہے جن کی ایک مفسر کو ضرورت ہے مثلاً - لغت عرب ، صرف و نحو ، اشتقاق ، علم بلاغت ، کلام ، عقائد ، فقہ ، اصول ، حدیث ، اسباب نزول ، ناسخ و منسوخ کی معرفت وغیرہ ، تو ایسے شخص کے لئے جائز و ممکن ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر میں رائے سے کام لے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان علوم کی معرفت و مہارت

کے بغیر تفسیر قرآن میں رائے کو استعمال کرتا ہے تو وہ اس سے تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوگا جس کی حضور علیہ السلام نے ممانعت فرمائی ہے۔

اس طبقے نے جن اہل علم و فن کے لئے تفسیر قرآن میں رائے کے استعمال کو جائز و ممکن کہا ہے، ان کے نزدیک بھی ان تمام شرائط اور حدود و قیود کی کلی طور پر پابندی لازمی ہے جن کا ذکر کیا جاتا ہے :

۱۔ علماء نے مفسر کے لئے جو شرائط لازم کی ہیں، ان میں امام طبری سب سے پہلی شرط „اعتقاد صحیح“ کو قرار دیتے ہیں :

„مفسر کے واسطے جو شرطیں لازم ہیں، ان میں سب سے پہلی شرط اعتقاد کا صحیح ہونا ہے، سنت رسول کا لزوم اور اس پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا رہنا۔ کیونکہ جو شخص اپنے اعتقاد کے بارے میں بدنام ہو گا، اس پر دنیاوی معاملات کے بارے میں بھی اعتماد نہیں کیا جاتا، چہ جائے کہ دینی امور میں اعتماد کیا جائے۔“

اگر وہ کسی دنیاوی خواہش میں متہم ہے تو بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اس سے خطرہ ہے کہ اس کی نفسانی خواہش، اور طمع اسے قرآن کی ایسی تفسیر کر دینے پر آمادہ کرے جو اس کی مزعومہ، یا ایجاد کردہ بدعت کے مطابق ہو۔

مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اعتماد نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اصحاب اور ان کے ہم عصر لوگوں کی نقل و روایت پر ہو، اور وہ بدعات و محدثات سے کلی طور پر پرہیز کرتا ہو۔“ (۳۷)

۲۔ جو تفسیر کرے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، اور صحابہ کرام کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق ہو۔ کوئی ایسی تفسیر ہرگز معتبر نہ ہو گی جو حدیث مرفوع ، اور صحابہ کے تفسیری اقوال کے خلاف ہو۔ مثلاً : ان الذین آمنوا والذین ہادوا والنضاری والصابئین من آمن باللہ و الیوم الآخر۔ کی تفسیر میں یہ کہا جائے کہ یہودیت ، نصرانیت ، اور دیگر تمام آسمانی مذاہب کی اصل ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ، اور عمل صالح ، اس لئے کسی بھی آسمانی مذہب پر عمل کرتے ہوئے انسان نجات کا مستحق ہو سکتا ہے ، نجات کو صرف اسلام میں منحصر کرنا درست نہیں ہے۔ یہ تفسیر ، کھلی ہوئی تحریف ہو گی ، اور دین کے اصول موضوعہ کا انکار کہلانے لگی۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ من آمن باللہ سے توحید اور آں حضرت کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا مراد ہے ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اس کی وضاحت کرتی ہے : ،،قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ، اگر کوئی یہودی یا نصرانی میری بعثت و رسالت کی خبر سنے ، اور پھر اس حال میں مر جائے کہ وہ اس دین پر ایمان نہ لائے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے ، تو اس کا انجام بجز اس کے کچھ نہ ہوگا کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہوگا۔۔

مقصد یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنا جس سے یہ اشارہ ہو کہ حضور کی بعثت و رسالت کے بعد ، اسلام کے علاوہ اور کسی دین سماوی کے ذریعے بھی نجات ممکن ہے ، قرآن حکیم میں کھلی تحریف ہے۔ نیز قرآن کے واضح ارشاد

”ان الدین عند اللہ الاسلام“ اور ”ورضیت لکم الاسلام دینا“۔
کو باطل قرار دینے کے مترادف ہے، اس کے علاوہ صحت تفسیر
کے جو اصول و ضوابط وضع کئے گئے ہیں، ان کا فوت ہونا بھی
لازم آتا ہے۔

۳۔ قرآن کے سیاق و سباق کے مطابق ہو، اگر کوئی ایسی تفسیر
کی جائے جس سے کلام الہی کا منشاء فوت ہو جائے، اور
ماقبل اور مابعد میں کوئی ربط باقی نہ رہے، تو وہ تحریف کے
مترادف ہو گی۔ جیسے ”فخذ اربعة من الطیر فصرهن الیک“ کی
تفسیر کے بارے میں پہلے ذکر کیا گیا۔

۴۔ قواعد لغت عرب اور اہل زبان کے استعمال اور محاورے کے
مطابق ہو۔ وہ تفسیر معتبر نہ ہو گی جو قواعد لغت عرب اور
ان کے محاورے کے خلاف ہو، مثلاً ”اضرب بعصاک الحجر“
کے معنی لاثہی کے سہارے پہاڑ پر چڑھنا مراد لئے جائیں کہ
تم پہاڑ پر چڑھو وہاں تم کو پانی کے بہتے ہوئے چشمے ملیں
گے، عصا مارنے سے پتھر میں سے پانی نکلنا مراد نہ لیا جائے، یہ
تفسیر قواعد عربیہ اور اہل زبان کے استعمال کے خلاف ہے،
اس مقام پر کلام الہی کا جو منشاء ہے یعنی حضرت موسیٰ کا
معجزہ بیان کرنا، وہ بھی فوت ہو جائے گا، نیز صریح احادیث
کی تکذیب بھی لازم آئے گی۔

۵۔ اصول شریعت، اور ان تمام قواعد کے مطابق ہو جو دین میں
مقرر و ثابت ہیں، اور جن پر ایمان و اعتقاد ضروری ہے۔
ایسی تفسیر معتبر نہ ہو گی جس سے اصول دین کا انکار یا
ابطال لازم آتا ہو، مثلاً ایسی تفسیر کی جائے جس سے انبیاء
کے معجزات، حشر و نشر، وزن اعمال، وجود ملائکہ و

شیاطین وغیرہ کا انکار لازم آتا ہو۔

- ۶۔ مقاصد قرآن کے مطابق ہو۔ بایں طور تفسیر نہ کی جائے کہ قرآن کے مقاصد ہی فوت ہو جائیں، قرآنی آیات کو ان کے حقیقی مقاصد پر حمل کرنے کے بجائے اصول سائنس، فلسفہ، صنعتی ترقیات و ایجادات پر محمول کیا جائے۔
- یہ وہ بنیادی اصول ہیں، جن کی پیروی کرنا تفسیر کرنے والے کے لئے لازم و ضروری ہے، امت کے علماء اور مفسرین اسی کو تفسیر قرآن کہتے ہیں، ان اصول سے ہٹ کر تفسیر کرنا، تحریف قرآن کے مترادف ہے۔ (۳۸)

ماخذ و مصادر

- ۱۔ القرآن: ۲۵/۳۳
- ۲۔ ابن منظور۔ لسان العرب (مطبع امیر یہ مصر ۱۳۲۷ھ)۔ ۲/۳۶۱
- ۳۔ ایضاً
- ۴۔ ابوحیان۔ البحر المحیط (مکتبۃ السعادة مصر ۱۳۲۸ھ)۔ ۱/۱۳
- ۵۔ دائرة معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۵۹ء)۔ ۶/۲۸۹، ۳۹۰۔
- ۶۔ جلال الدین سیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن (طبع قاہرہ، ۱۹۰۰ء)۔ ۲/۱۴۳
- ۷۔ ایضاً۔ نیز دیکھئے: اصول تفسیر (محمد مالک کاندھلوی) ص: ۹۳، تاریخ تفسیر و مفسرین (غلام احمد حریدی)۔ ص ۱۲، ۱۳۔
- ۸۔ الاتقان ۲/۱۸۳، اساس البلاغۃ (زمخشری)۔ ۱/۱۵، نیز جمع الجوامع (ابن سبکی)۔ ۵۶/۲
- ۹۔ الاتقان۔ ۲/۴۳
- ۱۰۔ سید محمود آلوسی ہمدانی۔ روح المعانی (مکتبہ وہبہ عابدین ۱۹۷۶ء) (مقدمہ)۔
- ۱۱۔ الاتقان۔ ۲/۴۲
- ۱۲۔ ایضاً
- ۱۳۔ حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون (طبع استنبول ۱۳۶۲ھ)۔ ۱/۳۲۴
- ۱۴۔ القرآن: ۳۰/۳۶
- ۱۵۔ القرآن: ۱۳/۳۲

-

© rasailojaraid.com